احادیث قدسیہ پر
مستشرق ولیم البرٹ گراہم کے اعتراضات
جائزہ اور رد
A Study and Refutation of William Albert's objections concerning Ahadith e Qudsi

ڈاکٹر سید غضنفر احمد [۱]
عثمان صفدر [۲]

Abstract

Divine Sayings (Hadees-e-Qudsi) is one of the most important knowledge based inheritance for Muslims. Along with the protection of Quran o Sunnah and transferring these religious assets to the next generations, Muslims have always strived to protect this knowledgeable heritage as well and the credit for protecting and delivering this heritage to the next generations is to be given to the companion of the Prophet ﷺ (Sahaba Karam).

Orientalists have always argued about authenticity of Quran and Ahadees-e-Nabwi (sayings of Prophet Mohammad ﷺ), and also have raised many useless objections on Divine Sayings (Hadees-e-Qudsi). Among these orientalists, William Graham is the one who, in his thesis "The Divine Word and Prophetic Word in Early Islam" have tried to make a dilemma of Divine Sayings (Hadees-e-Qudsi) by declaring it to be an innovation of the companion of the Prophet ﷺ (Sahaba Kiram) and have also blamed them for messing up and generating confusions within the Divine sayings and Sayings of Prophet Mohammad (P.B.U.H). Similarly, William Graham also declared Divine sayings a derivative of Bible and Greek philosophy.

In this Paper, William Graham's objections have been reviewed and rejected in the light of logical scientific sources.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی أشرف الأنبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

دین اسلام فطری تقاضوں سے ہم آہنگ ایک ایسا مکمل وموزوں دین ہے جو اپنے ٹھوس اصول ومبادیات کے ساتھ ساتھ

---

[۱] اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ قرآن وسنۃ، کلیہ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی

[۲] ریسرچ اسکالر شعبہ قرآن وسنہ، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

احادیث قدسیہ پر مستشرق ولیم البرٹ گراہم کے اعتراضات

معاملات میں اجتہاد کی لچک اور ہمہ جہتی اخلاقیات کی بناء پر ہر زمانہ و معاشرہ کو نہ صرف اپنا لینے بلکہ اس معاشرہ کو تراش خراش کر اپنے اصول و مبادی کے مطابق ڈھال لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ معاشروں کی اصلاح کا جو خاکہ اسلام نے پیش کیا ہے پوری انسانیت مل کر اس کا عشر عشیر پیش کرنے سے بھی عاجز ہے، یہ موضوع ایک طویل بحث کا متقاضی ہے کہ ثقافت و معاشرت سے لے کر معیشت و سیاست کا کون سا ایسا پہلو ہے جسے اسلام نے اپنی تعلیمات سے آسودہ نہ کیا ہو۔ اسلام کی اس خصوصی صلاحیت کی بنیاد صرف ایک ہے اور وہ ہے "وحی الٰہی"۔ انسانیت کی اصلاح انسان کے ذریعہ ممکن تو ہے لیکن اس کے لئے تعلیمات کا آسمانی ہونا ضروری ہے، کیونکہ زمین پر بسنے والے انسانوں کی سوچ و تصورات میں اس قدر تضاد ہے کہ انسانیت کی اصلاح تو کجا خود ذریعہ اصلاح ہی اختلاف کی بنیاد بن جائے گا۔ اسی لئے اللہ رب العالمین کا یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے اصلاح کے لئے تعلیمات خود نازل فرمائیں تاکہ لوگ ان تعلیمات پر عمل پیرا ہو سکیں۔ دین اسلام کی مکمل بنیاد "وحی الٰہی" کے تصور کے گرد گھومتی ہے، دین اسلام میں صرف وہی تعلیم معتبر ہے جس پر وحی کی مہر ہو، چاہے وہ قرآن کی صورت میں ہو یا حدیث کی صورت میں، اور وحی کی اسی اہمیت کے پیش نظر اہل اسلام خصوصاً علماء کرام نے وحی کی ہر پہلو سے انتہائی جانفشانی سے حفاظت کی، اور اس حفاظت کا سلسلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر عصر حاضر تک جاری ہے۔

دوسری جانب اعداء اسلام کو بھی اسلام کی اس خصوصی صلاحیت کی بنیاد کا بخوبی علم ہے اور روز اول سے وحی الٰہی کے مختلف پہلوؤں پر بے بنیاد قسم کے اعتراضات کے ذریعہ وحی الٰہی کو مشکوک بنانے کی سعی لاحاصل کا سلسلہ جاری ہے، اور خصوصاً ماضی قریب یعنی تقریباً ۱۷۰۰ء سے "استشراق" کے نام پر اسلام اور خصوصاً وحی الٰہی پر نظریاتی حملوں کے ذریعہ وحی الٰہی کو مشکوک بنانے کی کوشش شروع کی گئی جو آج تک جاری ہے، ابتداء میں قرآن جیسی لازوال کتاب پر ناپاک انگلیاں اٹھائی گئی، بودے اعتراضات کئے گئے، لیکن جب منہ کی کھانی پڑی اور کچھ نہ بنا تو احادیث نبویہ کو تختۂ مشق بنالیا گیا۔

احادیث پر اعتراضات اٹھانے والے مستشرقین کی ایک طویل فہرست ہے، ان میں سے ایک ولیم البرٹ گراہم (William Albert Graham) ہیں، ولیم گراہم نے 1973ء میں ہارورڈ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، ان کے پی۔ایچ۔ڈی کے مقالہ کا عنوان تھا (Divine Word and Prophetic Word in Early Islam)، یعنی "حدیث قدسی اور حدیث نبوی ابتداء اسلام میں"، اس مقالہ میں ولیم گراہم نے وحی الٰہی کی ایک قسم "حدیث قدسی" پر اعتراضات کا ایک انبار لگا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حدیث قدسی کے نام سے جو احادیث اہل اسلام روایت کرتے ہیں درحقیقت ان کا کوئی وجود نہیں ہے، بلکہ دراصل یہ ایک تاریخی غلطی کا تسلسل ہے جو صحابہ کرام کی ناسمجھی کی بدولت شروع ہوئی اور اہل اسلام میں سرایت کر گئی اور محدثین نے بھی بغیر سوچے سمجھے اسے قبول کر لیا اور اپنی کتابوں میں تحریر کر دیا۔

اس مقالہ میں ولیم گراہم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے اس موضوع میں بہت سے عربی و غیر عربی مصادر و مراجع کا بغور مطالعہ کیا ہے اور جن نتائج تک وہ پہنچا ہے ان نتائج تک اس سے پہلے کے مستشرقین یعنی سموئیل زویمر (Samuel

(Zwimer)،لویس ماسینون(Louis Massignon)، جیمس روبنسون(James Robinson)وغیرہ کی رسائی نہیں ہوئی۔

جن نتائج تک ولیم گراہم نے اپنی رسائی کا دعوی کیا ہے وہ بنیادی طور پر تین ہیں:

1 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احادیث قدسیہ اور احادیث نبویہ میں فرق کا امتیاز نہ کرسکے اور بعد میں آنے والے لوگوں کو الجھن میں ڈالنے کا باعث بنے، کیونکہ کبھی وہ ان احادیث کو صرف اللہ ﷻ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کبھی رسول اللہ ﷺ کی طرف۔

2 احادیث قدسیہ کی ذات قدس (اللہ ﷻ) کی طرف ایسی نسبت جس میں کوئی شک نہ ہو وہ چھٹی صدی ہجری کے بعد ہوئی کیونکہ ان احادیث کا نام احادیث قدسیہ چھٹی صدی ہجری کے بعد ہی رکھا گیا۔

3 کئی احادیث قدسیہ دراصل عیسائی اور یہودی کتب اور یونانی فلسفہ سے ماخوذ ہیں۔

اسی مقالہ کے آخر میں ولیم گراہم نے نوے (۹۰) احادیث قدسیہ ذکر کی ہیں، اور ہر حدیث کے آخر میں تبصرے کے انداز میں اعتراضاتی نوٹ لگایا ہے اور ہر حدیث کو اپنے ذکر کردہ نتائج میں سے کسی ایک کے ساتھ منسلک کیا ہے۔

اس بحث میں ان شاء اللہ ہم ولیم گراہم کے پیش کردہ ان نتائج کو جو کہ دراصل احادیث قدسیہ کی اہمیت کم کرنے کے ساتھ صحابہ کرام اور محدثین عظام پر بھی افتراء پردازی ہیں، ان کا جائزہ لے کر مستند و معتمد مصادر و مراجع کی روشنی میں ان کا رد کریں گے۔

زیر نظر بحث کو میں نے مقدمہ، تین ابواب، اور خاتمہ پر ترتیب دیا ہے، اس بحث کا تحقیقی خاکہ درج ذیل ہے:

A مقدمہ: اس مقدمہ میں موضوعِ بحث کا اجمالی تذکرہ اور خاکہ تحقیق پیش ہوا۔

B پہلا باب: یہ باب حدیث قدسی کے تعارف پر مبنی ہے، یہ باب تین فصول پر مشتمل ہے:

پہلی فصل: حدیث قدسی کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔

دوسری فصل: قرآن، حدیث قدسی اور حدیث نبوی میں فرق۔ یہ فصل دو مباحث پر مشتمل ہے:

o پہلا مبحث: قرآن اور حدیث قدسی میں فرق۔

o دوسرا مبحث: حدیث قدسی اور حدیث نبوی میں فرق۔

C دوسرا باب: ولیم گراہم کے احادیث قدسیہ پر کئے گئے اعتراضات کے جواب پر مشتمل ہے، اس باب میں دو فصول ہیں:

پہلی فصل: ولیم گراہم کا پہلا اعتراض اور اس کا جواب: صحابہ کرام احادیث قدسیہ اور احادیث نبویہ میں فرق کا امتیاز نہ کرسکے اور بعد میں آنے والے لوگوں کو الجھن میں ڈالنے کا باعث بنے، کیونکہ کبھی وہ ان احادیث کو صرف اللہ ﷻ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کبھی رسول اللہ ﷺ کی طرف۔

احادیث قدسیہ پر مستشرق ولیم البرٹ گراہم کے اعتراضات

دوسری فصل : ولیم گراہم کا دوسرا اعتراض اور اس کا جواب : کئی احادیث قدسیہ دراصل عیسائی اور یہودی کتب اور یونانی فلسفہ سے ماخوذ ہیں۔

پہلا باب

حدیث قدسی کا تعارف

پہلی فصل: حدیث قدسی کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔

دوسری فصل: قرآن، حدیث قدسی اور حدیث نبوی میں فرق۔

پہلا مبحث: قرآن اور حدیث قدسی میں فرق۔

دوسرا مبحث: حدیث قدسی اور حدیث نبوی میں فرق۔

پہلی فصل: حدیث قدسی کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔

حدیث قدسی کی لغوی تعریف:

حدیث: عربی لغت میں حدیث، جدید یعنی کسی نئی چیز کو کہتے ہیں، اور اس کا اطلاق کلام پر بھی ہوتا ہے کیونکہ کلام حادث اور جدید ہوتا ہے۔

قدسی: قدسی قدس سے ماخوذ ہے، اور اس کا معنی ہے پاکیزہ ہونا، اور اس یہ نسبت اللہ تعالی کی طرف ہے کیونکہ اللہ تعالی کے اسماء حسنی میں سے ایک نام قدوس ہے، یعنی اللہ تعالی ہر قسم کے عیوب ونقائص سے پاک ہے۔

حدیث قدسی کی اصطلاحی تعریف:

حدیث قدسی وہ حدیث ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالی سے روایت کرکے بیان کریں، اور اس کے الفاظ اور معنی دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔

امام ابن حجر الہیثمی فرماتے ہیں:" اللہ تعالی کی جانب منسوب کلام کی تین اقسام ہیں:

(۱) سب سے پہلا اور سب سے افضل کلام" قرآن مجید" ہے۔

(۲) پھر دیگر انبیاء کی کتابیں جو کہ تحریف واقع ہونے سے قبل تھیں۔

(۳) احادیث قدسیہ، اور یہ وہ احادیث ہیں جو خبر واحد کے طور پر ہم تک منتقل ہوئیں، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب سے روایت کرتے ہیں، اور یہ احادیث قدسیہ اللہ تعالی کے کلام سے ہیں۔

احادیث قدسیہ پر مستشرق ولیم البرٹ گراہم کے اعتراضات

دوسری فصل: قرآن، حدیث قدسی اور حدیث نبوی میں فرق۔

پہلا مبحث: قرآن اور حدیث قدسی میں فرق۔

قرآن اور حدیث قدسی میں فرق کو سمجھنے کے لئے قرآن کی وہ خصوصیات درج ذیل ہیں جو حدیث قدسی میں نہیں پائی جاتیں:

A قرآن کئی اعتبارات سے معجز (یعنی عاجز کرنے والا) ہے۔قرآن کے ذریعہ اللہ تعالی نے پوری انسانیت بلکہ جنوں کو بھی یہ چیلنج دیا ہے کہ وہ اس جیسا کوئی کلام لے کر آئیں۔

B قرآن تا قیامت رہنے والا معجزہ ہے۔

C بے وضو کے لئے اس کو چھونا اور جنبی کا اس کی تلاوت کرنا حرام ہے۔

D نماز میں صرف قرآن کی تلاوت مشروع ہے۔

E قرآن کے ہر حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔

F قرآن کو بالمعنی روایت کرنا حرام ہے۔

G قرآن بذریعہ تواتر منقول ہے، جبکہ احادیث قدسیہ خبر آحاد ہیں۔

H قرآن ہمیشہ کے لئے ہر قسم کے تغیر اور تبدیلی سے محفوظ ہے، جبکہ احادیث قدسیہ میں راویوں کی غلطی کی بناء پر تغیر کا امکان موجود ہے۔

I قرآن آیات، سورتوں اور پاروں پر مشتمل ہے، جبکہ احادیث قدسیہ کی یہ کیفیت نہیں۔

J قرآنکو روایت کرتے ہوئے محض" قال اللہ" یعنی اللہ تعالی نے فرمایا"، کہا جاتا ہے، جبکہ احادیث قدسیہ کو پہلے" قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کہہ کر پھر" قال اللہ" کہا جاتا ہے۔

دوسرا مبحث: حدیث قدسی اور حدیث نبوی میں فرق۔

A حدیث قدسی اور حدیث نبوی دونوں ہی وحی ہیں لیکن حدیث قدسی کے الفاظ اللہ تعالی کی جانب سے ہیں اور حدیث نبوی کے الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں۔

B حدیث قدسی کو صراحت کے ساتھ اللہ تعالی کی جانب منسوب کیا جاتا ہے، جبکہ حدیث نبوی کو صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہی منسوب کیا جاتا ہے۔

C حدیث قدسی اور حدیث نبوی میں موضوعات کا فرق ہے، حدیث قدسی صرف عقیدہ توحید، اخلاص، شرک سے اجتناب، اعلیٰ اخلاقیات کے درس پر مشتمل ہے، جبکہ حدیث نبوی میں عقائد، عبادات، معاملات وغیرہ سب موجود ہیں۔

دوسرا باب

ولیم گراہم کے احادیث قدسیہ پر کئے گئے اعتراضات کا جواب

پہلی فصل: ولیم گراہم کا پہلا اعتراض اور اس کا جواب۔

دوسری فصل: ولیم گراہم کا دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

پہلی فصل: ولیم گراہم کا پہلا اعتراض اور اس کا جواب۔

اعتراض: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احادیث قدسیہ اور احادیث نبویہ میں فرق کا امتیاز نہ کر سکے اور بعد میں آنے والے لوگوں کو الجھن میں ڈالنے کا باعث بنے، کیونکہ کبھی وہ ان احادیث کو صرف اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کبھی رسول اللہ ﷺ کی طرف۔

تفصیل اعتراض: ولیم گراہم اپنے مقالہ کے Chapter 4: "The Divine Saying in Early Islam" کے سیکشن B: Forms of the Divine Saying میں لکھتا ہے:" سموئیل زویمر نے احادیث قدسیہ کا صرف ایک جانب سے جائزہ لیا ہے، یعنی اس کی اسانید کی جانب سے، اور وہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ احادیث قدسیہ موضوع روایات ہیں جنہیں چند صوفیوں نے مسلمانوں کو دین کی طرف راغب کرنے کے لئے ایجاد کیا، جبکہ ان احادیث کا صحابہ و تابعین کے دور میں ہونا ناممکن ہے۔ جبکہ ماسینون نے بھی اسے دوسری صدی تک محدود کرتے ہوئے ان احادیث کو مرسل قرار دیا ہے۔ گویا کہ زویمر، ماسینون اور روبنسن یہ تینوں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ احادیث قدسیہ دینی و سیاسی اسباب کی وجہ سے گھڑلی گئی ہیں۔

لیکن میں اپنی اس تحقیق سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ احادیث قدسیہ کا اوائل مسلمان (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے دور میں وجود تھا، اور یہ بات ابتدائی مسلمان کی وحی اور رسالت کے حوالہ سے فہم کو منعکس کرتی ہے کہ وہ (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) احادیث قدسیہ اور احادیث نبویہ کے درمیان اس طرح فرق و امتیاز نہ کر سکے جس طرح بعد کے زمانہ میں آنے والے مسلمانوں نے کیا، تو ان اوائل مسلمان (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) میں سے بعض نے ان احادیث کو محمد (ﷺ) کے اقوال سمجھ کر نقل کیا، اور بعض نے اسے احادیث قدسیہ سمجھ کر نقل کیا۔ اور بعض لوگ ان احادیث کی نسبت میں الجھ گئے، کبھی تو وہ اسے ذات قدس (اللہ تعالی) کی طرف نسبت کرتے اور کبھی اسے نبی (ﷺ) کی طرف منسوب کرتے"۔

پھر آگے اپنی بات پر احادیث قدسیہ سے کچھ دلائل دینے کے بعد ولیم گراہم مزید لکھتا ہے:" اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) احادیث کے درمیان خلط ملط کر دیا کرتے تھے، اور کسی ایک قائل کی طرف نسبت کے متعلق متردد ہوا کرتے تھے، کبھی کہتے کہ: یہ حدیث اللہ کا قول ہے، کبھی کہتے: یہ حدیث نبی (ﷺ) کا قول ہے، لہذا یہ بات درست ہے

احادیث قدسیہ پر مستشرق ولیم البرٹ گراہم کے اعتراضات

کہ پہلی صدی کے راوی ہی خاص طور پر احادیث کے درمیان خلط ملط ہونے کے ذمہ دار ہیں، اور یہی امتزاج واختلاط بالآخر احادیث قدسیہ کے ایجاد اور عام احادیث سے منفصل ہونے کی وجہ بنا"۔

ولیم گراہم کی ان باتوں سے دو چیزیں مترشح ہوتی ہیں:

A ولیم گراہم کی اپنی ہی باتوں میں تضاد موجود ہے، پہلی بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیگر مستشرقین کی طرح احادیث قدسیہ کے معاملہ میں تعصب کا شکار ہو کر اس نہج تک تو نہیں پہنچا جہاں زویمر، ماسینون اور روبنسن کھڑے ہیں، بلکہ اس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ احادیث قدسیہ کا وجود ہے اور یہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے دور سے چلی آرہی ہیں، پھر آگے چل کر اپنی ہی بات کی نفی کر کے وہ احادیث قدسیہ کو مخترع اور صحابہ کرام کی ایجاد قرار دیتا ہے۔

B ولیم گراہم نے احادیث قدسیہ کا وجود تسلیم کرتے ہوئے اس کے متعلق شکوک وشبہات کا ایک دروازہ بھی کھول دیا ہے اور اس کے لئے اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مورد الزام ٹھہرایا ہے۔ گویا کہ اس نے ایک تیر سے دو شکار کی پالیسی اپناتے ہوئے، احادیث قدسیہ کی اہمیت کو کم کرنے کے ساتھ ساتھ صحابہ کی علمی امانت اور اور قدر ومنزلت کو ہدف بنانے کی کوشش کی ہے۔

دلیل اعتراض:

(پہلی دلیل) ولیم گراہم اپنی اس بات کی دلیل میں کہتا ہے:" اس بات پر سب سے بہترین مثال وہ حدیث ہے جو صحابہ کرام نبی (ﷺ) سے اللہ تعالی کی طرف نسبت کر کے روایت کرتے ہیں: إِذَا أَحَبَّ عَبْدِي لِقَائِي أَحْبَبْتُ لِقَاءَهُ، وَإِذَا كَرِهَ لِقَائِي كَرِهْتُ لِقَاءَهُ" ،،ترجمہ:" اگر میرا بندہ میری ملاقات چاہے تو میں بھی اس سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے ملاقات ناپسند کرے تو میں بھی اس ملاقات ناپسند کرتا ہوں"۔ یہ حدیث نبی (ﷺ) کی طرف بھی منسوب کی گئی ہے اور اس کے الفاظ ہیں:" مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ، أَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللَّهِ، كَرِهَ اللَّهُ لِقَاءَهُ " ترجمہ: اگر بندہ سے ملاقات چاہے تو اللہ بھی اس سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے اور اگر وہ اللہ سے ملاقات ناپسند کرے تو اللہ بھی اس ملاقات ناپسند کرتا ہے"۔

ولیم گراہم نے اس حدیث کے علاوہ اور کئی احادیث کے حوالہ سے بھی اپنے اس اعتراض کو دہرایا ہے، مثلاً اپنے مقالہ کے PART:3 میں جہاں اس نے نوے(۹۰) احادیث قدسیہ ذکر کی ہیں ان میں سے حدیث نمبر: ۴۵ ،حدیث نمبر ۸۹ اور دیگر کئی احادیث کو بھی اپنے اس اعتراض کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

(دوسری دلیل) ولیم گراہم اپنے اس شبہ نما اعتراض کو مزید تقویت دیتے ہوئے اپنے مقالہ کے Part 2، Chapter: 3 کے سیکشن B:The Divine Saying in Muslim Scholarship . میں لکھتا ہے:" مسلمانوں کے ابتدائی مجموعہ مصنفاتِ حدیث میں حدیث قدسی کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔۔۔لیکن ابتدائی دور گزرنے اور علوم اسلامیہ میں قابل ذکر پیش رفت کے

بعد بعض مسلمان حدیث قدسی اور حدیث نبوی میں فرق کر پائے، اور سب سے پہلا نام ان احادیث کا جو رکھا گیا وہ "حدیث الٰہی" تھا، اور یہ نام دینے والے شخص، جیسا کہ مسلمانوں کا گمان ہے، وہ تھے زاہر بن محمد نیسابوری، جن کی وفات ۵۳۳ھ ہے، اور یہ نام انہوں نے اپنی ایک کتاب" کتاب الاحادیث الالٰہیہ" میں رکھا تھا، اس کے باوجود ہم بالیقین یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ احادیث قدسیہ اپنی نوعیت اور نام کے اعتبار سے دیگر احادیث سے ممتاز ہو چکی تھیں، کیونکہ یہ کتاب تا حال مخطوط ہے اور طبع نہیں ہوئی ہے، اسی لئے ہم نہیں جانتے کہ اس کتاب کے مؤلف نے یہ نام اختیار کیا ہے یا یہ نام ان کے تلامذہ کی اختراع ہے، یا ان کے بعد آنے والوں میں سے کسی نے یہ نام رکھا ہے، جیسا کہ بہت سے عربی مخطوطات میں ایسا ہوتا ہے۔ بہر حال عمومی طور پر چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں محیی الدین ابن العربی (599ھ) کے توسط سے احادیث کی یہ نوع دیگر احادیث سے جدا ہو کر مستقل ہوئی، اور انہیں احادیث الٰہیہ کے نام سے پہچانا جانے لگا، اور تقریباً ایک صدی گزرنے کے بعد جب طیبی (743ھ) آئے تو انہوں نے ان احادیث کو ایک نیا نام دیا جو آج تک چلا آ رہا ہے یعنی" احادیث قدسیہ"، اور طیبی نے ہی ان احادیث کا قرآن سے فرق بیان کیا ہے، لیکن انہوں نے بھی ان احادیث کا دیگر احادیث نبویہ سے فرق کو ذکر نہیں کیا اور گزشتہ ادوار کی طرح ان کے دور میں بھی یہ فرق مبہم ہی رہا"۔

اسی طرح Part 2، Chapter: 5: Conclusion میں لکھتا ہے:

The Muslim treatment of it as a sub-genre of the formal Hadith is apparently itself a late, post-fifth-century development that belies an earlier position for the Divine Saying as a special kind of report that was seen primarily in its relation to or differentiation from the Qur'an, not the Hadith.

یعنی" مسلمانوں کا حدیث قدسی کو عمومی حدیث کی ذیلی قسم قرار دینے کا معاملہ کافی بعد کا ہے یعنی پانچویں صدی ہجری کے بعد کا، جس سے حدیث قدسی کی ابتدائی ادوار میں حدیث کی ایک خاص قسم ہونے کی نفی ہو جاتی ہے، کیونکہ ان ادوار میں حدیث قدسی کا بنیادی طور پر قرآن کے ساتھ تعلق اور فرق کا خیال تو کیا گیا ہے لیکن حدیث سے اس کا فرق نہیں کیا گیا"۔

جواب: ولیم گراہم کے اس اعتراض کے جواب میں چند باتیں نکات کی صورت میں ذکر کرنا چاہوں گا:

A پہلی بات تو یہ ہے کہ مستشرق ولیم گراہم کی اپنی ہی باتوں میں واضح تضاد و تنافی میں موجود ہے، ایک طرف وہ اپنے دیگر مستشرقین کے نتائج کو رد کرتے ہوئے فخریہ انداز میں یہ ذکر کرتا ہے کہ اس کے حاصل کردہ نتائج باقی مستشرقین کی نسبت بالکل مختلف ہیں، کیونکہ اس کے خیال میں احادیث قدسیہ کا صحابہ کرام کے دور میں وجود تھا، یعنی ایسی احادیث جن کی نسبت نبی ﷺ نے اللہ تعالی کی طرف کی تھی ان احادیث کا صحابہ کرام کے دور میں حقیقی وجود تھا، اور دوسری طرف اس کے بالکل برعکس اس کا موقف ہے کہ صحابہ کرام کے غیر محتاط انداز کی بدولت ہی احادیث قدسیہ وجود میں آئیں، یعنی ان احادیث کو نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالی کی جانب منسوب نہیں فرمایا بلکہ وہ صحابہ کرام کی غلطی سے اللہ تعالی کی طرف منسوب ہو گئیں!!۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان حضرت کی کون سی بات کو قبول کیا جائے اور کون سی بات کو رد کیا جائے؟۔ان متضاد آراء سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ احادیث قدسیہ پر کی گئی اس تحقیق میں سطحیت کے ساتھ ساتھ تعصب کا عنصر بھی نمایاں طور پر موجود ہے۔

B اس اعتراض کا ایک اجمالی جواب یہ ہے کہ یہ بات ممکن ہے بلکہ اس کے کئی دلائل ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک حدیث کو کئی مقامات پر مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں، اسی لئے وہ حدیث مختلف صحابہ کرام سے مختلف الفاظ کے ساتھ یا پھر ایک ہی صحابی سے کئی الفاظ کے ساتھ مذکور ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر: صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: " ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: رَجُلٌ كَانَ لَهُ فَضْلُ مَاءٍ بِالطَّرِيقِ فَمَنَعَهُ مِنَ ابْنِ السَّبِيلِ، وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِدُنْيَا فَإِنْ أَعْطَاهُ مِنْهَا رَضِيَ وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ مِنْهَا سَخِطَ، وَرَجُلٌ أَقَامَ سِلْعَتَهُ بَعْدَ الْعَصْرِ "

ترجمہ:" تین افراد ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالی روز قیامت نہ تو نظر رحمت سے دیکھے گا نہ انہیں گناہوں سے پاک فرمائے گا اوران کے لئے دردناک عذاب ہے: ایک وہ شخص جس کے پاس سرراہ ایک کنواں ہو اور اس میں پانی اس کی ضرورت سے زائد ہو لیکن پھر بھی وہ مسافر کو پانی لینے سے منع کر دے، دوسرا وہ جو کسی امام کی بیعت صرف دنیا کی خاطر کرے، اگر اسے دنیاوی فائدہ ہو تو وہ راضی رہے اور اگر نقصان ہو تو ناراض ہو جائے، تیسرا وہ آدمی جو عصر کے بعد (جھوٹی قسم سے) اپنا سامان فروخت کرے"۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی صحیح مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ، قَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ: " وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ، شَيْخٌ زَانٍ، وَمَلِكٌ كَذَّابٌ، وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ " ،ترجمہ: تین افراد ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالی روز قیامت نہ تو نظر رحمت سے دیکھے گا نہ انہیں گناہوں سے پاک فرمائے گا اوران کے لئے دردناک عذاب ہے، بوڑھا بدکار، جھوٹا بادشاہ، متکبر فقیر"۔اب دونوں احادیث میں تین قسم کے افراد پر حکم ایک ہی لگایا گیا ہے لیکن دونوں متون میں افراد کی اقسام واوصاف میں فرق ہے۔اسی طرح ایسی ہی ایک حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ "، قَالَ: فَقَرَأَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثَلَاثَ مِرَارًا، قَالَ أَبُو ذَرٍّ: خَابُوا، وَخَسِرُوا، مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: " الْمُسْبِلُ، وَالْمَنَّانُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ "، ترجمہ: تین افراد ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالی روز قیامت نہ تو نظر رحمت سے دیکھے گا نہ انہیں گناہوں سے پاک فرمائے گا اوران کے لئے دردناک عذاب ہے"، نبی ﷺ نے یہ الفاظ تین مرتبہ ارشاد فرمائے، ابوذر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:" وہ تو ہلاک ہو گئے برباد ہو گئے!، یہ کون لوگ ہیں اے اللہ کے رسول ﷺ ؟، آپ ﷺ نے فرمایا:" اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے ٹکانے والا، ہر بات پر احسان جتانے والا، اور جھوٹی قسم کھا

کر اپنا سامان بیچنے والا"۔

اب ان احادیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا یہ بات کہنا درست ہوگا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان احادیث کو بیان کرنے میں غلطی کی ہے، یا اپنی طرف سے ایک ہی حکم کو دو مختلف اقسام کے لوگوں کے لئے بیان کر دیا ہے، خصوصا کیا یہ بات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کہی جائے گی؟، جبکہ یہ احادیث فن حدیث کی دو سب سے مستند اور صحیح ترین کتابوں میں درج ہیں؟۔ یقینا پیمانہ عدل میں یہی بات آسکتی ہے کہ یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین مختلف مواقع پر یہ بات فرمائی ہوگی جو کہ صحابہ کرام نے من وعن نقل کر دی۔ اسی طرح احادیث قدسیہ کا معاملہ ہے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ذات الہی سے روایت کیا تو صحابہ کرام نے بھی اسے ذات قدس سے مروی کر کے بیان کر دیا، اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے قول سے ذکر کیا تو صحابہ کرام نے بھی اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے روایت کر دیا، اور جس نے دونوں مواقع پر سنا تو اس نے دونوں نسبتوں کے ساتھ ذکر کر دیا۔ اب نسبتوں کے اس اختلاف کو صحابہ کرام کے سر پر دھر کر احادیث قدسیہ کو صحابہ کرام کی غلطی کا شاخسانہ قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟۔

C تیسری بات یہ ہے کہ جن مصادر ومراجع پر اعتماد کر کے موصوف نے اپنی تحقیق کی ہے، انہی مصادر ومراجع سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام حدیث کے معاملہ میں انتہائی فہم وفراست کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ کتنی احتیاط اور امانت علمی سے کام لیتے تھے۔ مثلاً: صحیح بخاری میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خَيْرُكُمْ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ "، قَالَ عِمْرَانُ: فَمَا أَدْرِي، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْدَ قَوْلِهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا... ۔۔" ، ترجمہ: سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر جو اس کے بعد آئیں گے، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد آئیں گے" ، عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات دو مرتبہ فرمائی یا تین مرتبہ، ۔۔۔" ، یہاں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے امانت علمی کا ثبوت دیتے ہوئے شک والے مقام کو واضح کر دیا۔ اسی طرح صحیح بخاری میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے: " لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللَّهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ عَلَى ذَلِكَ" ، ترجمہ: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم سے قائم رہے گا، انہیں رسوا کرنے کی کوشش کرنے والا اور ان کی مخالفت کرنے والا انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ ان پر اللہ کا حکم (یعنی موت) آئے گا اور وہ اسی حال میں ہوں گے" ، اس موقع پر عمیر جو کہ اس حدیث کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ وہاں موجود ایک شخص مالک بن یخامر نے کہا: معاذ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں فرمایا تھا کہ: اس حال میں کہ وہ شام میں ہوں گے" ، تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ مالک ہے، اس کا گمان ہے کہ اس نے معاذ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ: " اس حال میں کہ وہ شام میں ہوں گے" ۔ اس طرح کی اور بہت سی مثالیں ہیں جو کتب احادیث میں بکثرت موجود ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام حدیث کے معاملہ میں ہمیشہ احتیاط کا پہلو مقدم رکھتے تھے اور اس بات سے حتی الامکان گریز کرتے تھے کہ کہیں کوئی غلط بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو جائے، جب یہ معاملہ ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے فرامین کے ساتھ تھا تو یہ بات بعید از عقل ہے کہ وہ احادیث قدسیہ کے معاملہ میں وہ کیوں اس قدر تساہل برتیں کہ وہ احادیث جو اللہ تعالی کی طرف منسوب ہی نہیں ہیں انہیں اللہ تعالی کی طرف منسوب کر کے بیان کریں؟۔

D یہاں پر ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جن صحابہ کرام نے قرآن وحدیث میں فرق وامتیاز رکھا، ساڑھے چھ ہزار سے زائد آیات کو لاکھوں احادیث سے جدا کر کے امت کو پیش کیا وہ کس طرح چند سو احادیث قدسیہ کے معاملہ میں مغالطہ کا شکار ہوگئے؟۔ جبکہ یہ بات تو مستشرقین بھی تسلیم کرتے ہیں اور ولیم گراہم بھی ان میں شامل ہے کہ الفاظ الہیہ اور الفاظ نبویہ یعنی قرآن اور حدیث کے مابین فرق اور امتیاز کا سہرا صحابہ کرام ہی کے سر بندھتا ہے ہو تو پھر احادیث قدسیہ میں صحابہ کرام کیوں معتوب ٹھہرے؟۔

E حدیث قدسی میں ذکر کئے گئے کسی مضمون کا حدیث نبوی میں ذکر ہونا کسی اچنبھے کی بات نہیں بلکہ اس حدیث قدسی کی مزید تاکید وصراحت ہے نہ کہ مزج واختلاط۔ کئی احادیث کریمہ میں ایسے مضمون موجود ہیں جو کہ من وعن قرآن میں موجود ہیں، مثال کے طور پر حفاظت اور فرضیت نماز، تقوی اور پرہیزگاری کا اختیار کرنا، روزہ کا وجوب، صاحب حیثیت پر حج بیت اللہ کا فرض ہونا، اور اس کے علاوہ بے شمار مثالیں ہیں، تو کیا ان احادیث کو قرآن کی مزید تاکید سمجھا جائے یا پھر قرآن وحدیث کا مزج واختلاط؟ یقینا پہلی بات ہی درست ہے، دوسری بات کی جانب تو کوئی مستشرق بھی جانا گوارا نہیں کرے گا کیونکہ وہ بات حقائق ودلائل کے بالکل منافی اور عقل سے عاری ہے۔ جب قرآن وحدیث کے مضامین کے ایک ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہیں تو حدیث قدسی اور حدیث نبوی کے مضامین کے یکساں ہونے پر اعتراض چہ معنی دارد۔

F ایسی بات ہرگز بھی نہیں کہ صحابہ کرام حدیث قدسی اور حدیث نبوی کے مابین فرق کو سمجھ نہ سکے اور بغیر سوچے سمجھے روایت کرتے گئے، بلکہ صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہ ہی میں ایسی کئی مثالیں ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نہ صرف یہ کہ احادیث قدسیہ کی معرفت رکھتے تھے بلکہ واضح طور پر ایسے الفاظ استعمال کرتے تھے جس سے یہ معلوم ہوجائے کہ یہ حدیث قدسی ہے، اور یہ الفاظ امام بخاری نے صحیح بخاری میں کتاب العلم کے دوسرے باب کے ترجمۃ الباب میں ذکر کئے ہیں، امام بخاری فرماتے ہیں

:وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا يَرْوِي عَنْ رَبِّهِ، وَقَالَ أَنَسٌ: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّكُمْ . اور یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ بعض احادیث قدسیہ ایسی ہیں جن میں ایسے الفاظ ہیں جن کی نسبت اللہ تعالی کے سوا کسی اور کی جانب کرنا محال ہے، اور یقینا صحابہ کرام اپنے مابعد ادوار کے لوگوں سے زیادہ تو فہم وفراست کے حامل تھے ہی لہذا ایسے الفاظ کی نسبت میں انہوں نے اور زیادہ احتیاط سے کام لیا ہے، مثال کے طور پر کبھی احادیث قدسیہ میں "يَا عِبَادِيْ" یا پھر "عَبْدِيْ" وغیرہ کے الفاظ آتے ہیں جو کہ یقیناً اللہ تعالی ہی کی طرف منسوب کئے جاسکتے ہیں کسی اور کی جانب ان کی نسبت کرنے سے ارتکاب شرک لازم آتا ہے اور صحابہ شرک سے بری ہیں۔

G **دلائل کا مناقشہ:**

(پہلی دلیل کا جواب): جہاں تک ولیم گراہم کا اپنے من گھڑت اعتراض کی خودساختہ دلیل کی بات ہے جو اس نے دو

احادیث قدسیہ پر مستشرق ولیم البرٹ گراہم کے اعتراضات

حدیثوں کے درمیان موازنہ کی صورت میں دی ہے تو گزشتہ نکات کی روشنی میں اس دلیل کا بوداپن عیاں ہو چکا ہے، البتہ مزید تسلی کے لئے میں یہاں اس حدیث کی کچھ تفصیلات عرض کرتا چلوں:

ولیم گراہم نے دو احادیث ذکر کی ہیں، ایک حدیث قدسی کا متن ہے اور دوسرا حدیث نبوی کا، حدیث قدسی کا متن صرف ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور کوئی صحابی اس متن کو حدیث قدسی کے طور پر ذکر نہیں کرتا۔ حدیث قدسی کا یہ متن کتب ستہ میں صحیح بخاری اور سنن نسائی میں موجود ہے، جبکہ حدیث نبوی کا متن جو حدیث قدسی ہی کی طرح ہے (سوائے "عَبۡدِیۡ" اور "لِقَائِیۡ" کے الفاظ کے)، یہ متن عائشہ صدیقہ، عبادہ بن صامت، ابوموسی اشعری، انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کتب ستہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں موجود ہے، یعنی فقط سنن ابوداود میں مذکور نہیں۔ البتہ یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسند احمد میں موجود ہے۔ اس تفصیلات کا ایک نقشہ یوں ہے:

(حدیث قدسی) إِذَا أَحَبَّ عَبۡدِی لِقَائِی أَحۡبَبۡتُ لِقَاءَهُ، وَإِذَا كَرِهَ لِقَائِی كَرِهۡتُ لِقَاءَهُ

	راوی	کتاب
1	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	صحیح بخاری
2	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	سنن نسائی

(حدیث نبوی) مَنۡ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ، أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ، وَمَنۡ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ، كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ

	راوی	کتاب
1	عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	صحیح بخاری ،صحیح مسلم ،جامع ترمذی ،سنن نسائی ،ابن ماجہ
2	عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ	صحیح مسلم ،جامع ترمذی ،سنن نسائی
3	ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ	صحیح بخاری ،صحیح مسلم
4	انس بن مالک رضی اللہ عنہ	مسند احمد
5	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	مسند احمد

اس تفصیل سے ایک بات ظاہر ہوتی ہے کہ حدیث قدسی صحیح سند کے ساتھ مروی ہے اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح بخاری میں ذکر کیا ہے، جہاں تک یہ بات ہے کہ یہ متن کبھی حدیث قدسی کی صورت میں اور کبھی حدیث نبوی کی صورت میں کیوں ہے تو اس کا جواب گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک سے زائد مرتبہ یہ حدیث ذکر کی ہو اور ایک مرتبہ حدیث قدسی کی صورت میں اور ایک مرتبہ حدیث نبوی کی صورت میں اور صحابہ کرام نے اسے اسی طرح روایت کیا جیسے انہوں نے سنا۔

(دوسری دلیل کا جواب)

مستشرق ولیم گراہم کی دوسری دلیل بھی بالکل بے جان اور لغو ہے، اس دلیل کا جواب دو نکات میں ذکر ہوگا۔

(۱) چھٹی صدی ہجری میں حدیث قدسی کا نام رکھنے اور احادیث قدسیہ کو منفرد کتاب میں درج کرنے کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ چھٹی صدی ہجری سے پہلے مسلمانوں کا حدیث قدسی کی پہچان نہیں تھی، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ علوم میں پیش رفت وقت کے ساتھ ہی ہوتی ہے، اقسام کا تعین نام و صفات کے ذریعہ وقت کے ساتھ ہی ہوتا ہے، لیکن اس کا ہرگز بھی یہ مطلب نہیں کہ ان اقسام کا گزشتہ ادوار میں وجود ہی تسلیم نہ کیا جائے، مثال کے طور پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح حدیث پر مشتمل پہلی کتاب تصنیف کی، امام بخاری تیسری صدی ہجری کے عالم ہیں، تو کیا ہم یہ تسلیم کرلیں کہ امام بخاری سے پہلے علماء کو صحیح حدیث کی معرفت ہی نہیں تھی، یا امام بخاری سے پہلے صحیح حدیث کے وجود کا ہی انکار کردیا جائے، قرآن مجید نبی ﷺ کی وفات کے بعد ایک مجلد میں لکھا گیا تو کیا نبی ﷺ کے دور میں (معاذ اللہ) قرآن کا وجود ہی نہ تسلیم کیا جائے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے حدیث حسن کی اصطلاح متعارف کرائی، تو کیا امام ترمذی سے پہلے حدیث حسن کو کوئی نہیں پہچانتا تھا، یقینا پہچانتے تھے لیکن اس کا نام امام ترمذی نے زیادہ متعارف کرایا، اسی طرح موضوع احادیث پر سب سے پہلے امام محمد بن طاہر المقدسی نے کتاب لکھی جس میں انہوں نے موضوع احادیث کو جمع کیا اور امام مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات ۵۰۷ھ ہے، تو کیا ہم یہ تسلیم کرلیں کہ ان سے پہلے کے جلیل القدر علماء کو موضوع احادیث کی بابت کچھ علم ہی نہ تھا۔

دنیاوی اعتبار سے اس کی سب سے بڑی مثال مملکت برطانیہ کے قوانین ہیں جو آج تک تحریری صورت میں موجود نہیں، یعنی انسان اگر چاہے کہ اسے مملکت برطانیہ کے قوانین ایک مجلد میں مل جائیں تو اسے یقیناً حیرت ہوگی کہ برطانیہ جیسے ترقی یافتہ ملک کے قوانین تحریری صورت میں موجود نہیں، تو کیا ہم یہ تصور کرلیں کہ مملکت برطانیہ کے لوگ قانون جانتے نہیں، یا وہ ملک بغیر کسی قانون کے چل رہا ہے؟۔

اسی طرح وہ احادیث جو اللہ تعالی کی طرف منسوب تھیں اگر چھٹی صدی ہجری میں کسی عالم نے ان کا نام حدیث الٰہی، یا حدیث قدسی رکھ دیا تو اس کے یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے مسلمان ان احادیث کی پہچان نہیں رکھتے تھے۔

(۲) ولیم گراہم کا رد اس طرح بھی ہوتا ہے کہ پانچویں صدی ہجری سے بہت پہلے علماء نے جب کتابیں لکھی تو صحابہ کے ذریعہ وہ جان چکے تھے کہ احادیث قدسیہ دراصل اللہ تعالی کا کلام ہے اور نبی ﷺ کی دیگر احادیث سے الگ شناخت رکھتا ہے، اس کی کئی مثالوں میں سب سے بڑی مثال امام بخاری کی صحیح بخاری ہے جس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التوحید میں کچھ ابواب قائم کئے ہیں اور ان کا عنوان ایسا دیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام بخاری کو احادیث قدسیہ کا دیگر احادیث سے فرق معلوم ہے، اور ان ابواب میں صرف احادیث قدسیہ کو ذکر کرکے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالی کے کلام کرنے پر استدلال کیا ہے۔ وہ

ابواب درج ذیل ہیں:

	عنوان الباب	تعداد احادیث قدسیہ
1	باب كلام الرب مع جبريل ونداء الله الملائكة	3
2	باب قول الله تعالى {يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللهِ}	12
3	باب ذكر النبي صلى الله عليه وسلم وروايته عن ربه تعالى	3

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اوائل ادوار کے علماء کے ہاں بھی احادیث قدسیہ کا امتیاز اور تعارف تھا اور یہ تعارف انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہی ملا تھا اسی لئے ہم یہ بات کہتے ہیں کہ صحابہ کرام احادیث قدسیہ اور احادیث نبویہ میں فرق کو بخوبی جانتے اور سمجھتے تھے، اور اس کو انہوں نے اسی طرح آگے نقل کر دیا، رہی بات نام رکھنے کی تو اوائل علماء کرام کے ہاں اس حدیث کی اللہ تعالی کی طرف نسبت اور اس میں "يرويه عن ربه" کے الفاظ ہی اس کا نام تھا جیسا کہ درج بالا عناوین ابواب سے واضح ہے، بعد میں آنے والے علماء کرام نے اپنی آسانی کے لئے اس کا نام مزید مختصر کر کے حدیث الہی اور حدیث قدسی رکھ لیا۔

دوسری فصل: ولیم گراہم کا دوسرا اعتراض اور اس کا جواب۔

اعتراض: کئی احادیث قدسیہ دراصل عیسائی اور یہودی کتب اور یونانی فلسفہ سے ماخوذ ہیں۔

تفصیل اعتراض: ولیم گراہم اپنے مقالہ کے The Divine Saying، Part 2 کے سیکشن The Divine: A Saying in Western Scholarship میں لکھتا ہے:

He also stresses that a remarkable number of these Sayings are found in the 'canonical" reflections of Tradition. Nonetheless, helike Zwemer concentrates on the Biblical "borrowings" in the later Divine Saying۔

یعنی:" جیمس روبسن نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ احادیث قدسیہ کی ایک قابل ذکر تعداد روایتی عیسائی تعلیمات میں ملتی ہے۔ بہر حال اس نے زویمر کی طرح احادیث قدسیہ میں انجیل سے اخذ کرنے کے معاملہ پر توجہ مرکوز کی ہے"۔

اسی طرح اس نے اپنے مقالہ کے The Divine Saying in Early Islam، Part 2 میں یہی دعوی کیا ہے کہ اکثر احادیث قدسیہ دراصل اہل کتاب کی مقدس کتابوں یعنی، تورات، انجیل اور اسی طرح یونانی فلسفہ سے ماخوذ ہیں، وہ لکھتا ہے:" اسلام میں پائی جانے والی کئی احادیث قدسیہ کی گزشتہ ادیان میں گہری جڑیں پائے جاتی ہیں، کیونکہ اس کی بنیاد ان فلسفوں اور ادیان سے جا ملتی ہے جو ظہور اسلام سے قبل موجود تھے، خصوصا اسرائیلیات کا کافی مواد ان احادیث قدسیہ میں پایا جاتا ہے"۔

دلیل اعتراض:

ولیم گراہم اپنے اس دعوی کی دلیل میں لکھتا ہے کہ: ایسی احادیث جو اسرائیلیات وغیرہ سے منقول ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ: " أَعْدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ،
ترجمہ" میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھیں ہیں جسے کسی آنکھ نے نہ دیکھا ہوگا، کسی کان نے نہ سنا ہوگا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا تصور آیا ہوگا"۔ یہ حدیث اسی طرح قدیم وجدید بائبل کے مختلف مقامات میں مذکور ہے اور قدیم یونانی فلسفیوں کے اقوال میں بھی اس قسم کی بات کا ذکر ملتا ہے۔ جیسا کہ سفر اشعیاء میں رب کا فرمان ہے:" میں نے اپنے بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھیں ہیں جسے کسی آنکھ نے نہ دیکھا ہوگا، کسی کان نے نہ سنا ہوگا"، اسی طرح بولس نے بھی اہل کورنس کے نام اپنے خط میں بالکل یہی الفاظ استعمال کئے ہیں:" اللہ نے اپنے چاہنے والوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھیں ہیں جسے کسی آنکھ نے نہ دیکھا ہوگا، کسی کان نے نہ سنا ہوگا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا تصور آیا ہوگا"۔

ولیم گراہم نے اس حدیث کے علاوہ اور کئی احادیث کے حوالہ سے بھی اپنے اس اعتراض کو دہرایا ہے، مثلا اپنے مقالہ کے PART:3 میں جہاں اس نے نوے (۹۰) احادیث قدسیہ ذکر کی ہیں ان میں سے حدیث نمبر: ۱۳ ، حدیث نمبر ۱۹، حدیث نمبر: ۵۴ اور حدیث نمبر: ۷۸ کو بھی اپنے اس اعتراض کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

جواب: احادیث قدسیہ پر اس لغو اعتراض کا جواب چند نکات کی صورت میں ہے:

A احادیث قدسیہ میں ایسی بات کا ذکر ہونا جو گزشتہ ادیان میں مذکور ہو تو اس سے احادیث قدسیہ کی حیثیت پر شک وشبہ کرنے کو محض نادانی وتعصب ہی کہا جا سکتا ہے۔ یہ بات تو ادیان کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ اہل کتاب کی شریعت اور شریعت اسلامیہ کا منبع و ماخذ صرف وحی الہی ہے، البتہ اہل کتاب نے اپنی کتب سماویہ میں تحریف کر کے احکام وشرائع کو بہت حد تک بدل کر رکھ دیا، لیکن پھر بھی ان کی شریعت میں کئی باتیں ایسی ہیں جو شریعت اسلامیہ سے مماثلت رکھتی ہیں۔ اسرائیلیات کے حوالہ سے نبی کریم ﷺ کا واضح فرمان ہے کہ: "لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ "، اہل کتاب کی نہ تم تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو"، اسی لئے علماء کرام کا کہنا ہے کہ وہ مسائل جو دین اسلام میں مشروع ہیں اور ان کا تذکرہ اسرائیلیات میں بھی ملتا ہے ان مسائل میں ہم ان کی تصدیق کریں گے، مثلا نماز روزہ، قربانی وغیرہ ، اور ایسے مسائل جن کی شریعت اسلامیہ نے نفی کی ہے اور وہ گزشتہ ادیان میں موجود ہوں تو ہم ان کی نفی کریں گے مثلاً غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنا، عیسی علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دینا، البتہ ایسے معاملات جن کے بارے شریعت اسلامیہ خاموش ہے اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ کیا ان معاملات میں گزشتہ شریعتوں کو حجت تسلیم کیا جائے گا اور ان سے استدلال کیا جائے گا یا نہیں؟۔

اس پوری بحث وتمہید کا مقصد یہ ہے کہ یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں کہ ایک مسئلہ حدیث قدسی میں مذکور ہو اور بعینہ وہی مسئلہ تورات وانجیل میں موجود ہو، اور صرف اسی موجودگی کی بنیاد پر صحابہ کرام پر انجیل و تورات سے اخذ کر کے حدیث قدسی بنا کر

روایت کرنے کا الزام کوئی وزن نہیں رکھتا۔ کیونکہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں اور بعینہ وہی مسائل مماثل الفاظ کے ساتھ تورات وانجیل میں بھی مذکور ہیں۔

B جہاں تک یونانی فلسفہ کی بات ہے تو اول تو ولیم گراہم نے یونانی فلسفہ کی کسی معتبر کتاب کا حوالہ نہیں دیا کہ جس سے اس کی بات کی تصدیق ممکن ہو، اور دوسری بات یہ ہے کہ یونانی فلسفہ محض الحاد اور کفر پر مبنی ہے جس میں رب، خالق اور الہ کا اور اخروی زندگی کا کوئی تصور نہیں، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک قول جو کہ اللہ کے ذکر پر ہو، جس میں جنت کا تصور ہو وہ یونانی فلسفہ سے ماخوذ ہو، اور تیسری بات یہ ہے کہ یونانی فلسفہ اولین طور پر مسلمانوں میں دوسری صدی کے آخر میں اور تیسری صدی کے آغاز میں آیا تھا، صحابہ کرام تو یونانی فلسفہ سے آگاہ ہی نہیں تھے کجا کہ وہ اس سے اقوال اخذ کر کے مسلمانوں تک نقل کرتے، اور پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ یونانی فلسفہ کو نقل کرنے کے لئے صحابہ کرام نے صرف احادیث قدسیہ کا ہی انتخاب کیوں کیا؟ اگر صحابہ کرام (نعوذ باللہ) احادیث قدسیہ میں یونانی فلسفہ کی ملاوٹ کر سکتے ہیں تو قرآن اور دیگر احادیث نبویہ میں یہ امکان موجود نہیں؟۔

C رہی بات دلیل کی تو گزشتہ تفصیل سے اس دلیل کا بودا پن نمایاں ہوجاتا ہے ، البتہ مزید تسلی کے لئے اور ولیم گراہم کی خیانت علمی کا پردہ فاش کرنے کے لئے یہ بات ذکر کرنا ضروری ہے کہ صحیح بخاری میں مذکور اس حدیث کے آخر میں نبی کریم ﷺ نے اس حدیث کے مضمون سے مماثل ایک آیت کی تلاوت فرمائی: "{فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ}[السجدة: 17]، کوئی نفس نہیں جانتا کہ ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان چھپایا گیا ہے"۔ اب اس آیت میں وہی مفہوم بیان ہو رہا جو حدیث قدسی میں بیان ہوا، تو کیا ہم قرآن مجید کے بارے میں بھی یہ مان لیں کہ وہ تورات وانجیل سے ماخوذ ہے؟۔ اور یہاں ولیم گراہم کی خیانت علمی بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس نے حدیث قدسی کو ذکر کیا لیکن اس کے آخر میں نبی کریم ﷺ جو آیت نے تلاوت فرمائی اس کا تذکرہ نہیں کیا تاکہ اپنے کمزور اعتراض کا بھرم قائم رکھا جائے۔

خاتمہ

مستشرق ولیم گراہم نے احادیث قدسیہ پر ایک تحقیقی مقالہ بعنوان (Divine Word and Prophetic Word in Early Islam)، یعنی" حدیث قدسی اور حدیث نبوی ابتداء اسلام میں" لکھا، اس مقالہ میں ولیم گراہم نے احادیث قدسیہ کی ماہیت اور تاریخ پر تحقیق کر کے بنیادی طور پر تین نتائج اخذ کرنے کا دعوی کیا ہے:

1 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احادیث قدسیہ اور احادیث نبویہ میں فرق کا امتیاز نہ کر سکے اور بعد میں آنے والے لوگوں کو الجھن میں ڈالنے کا باعث بنے، کیونکہ کبھی وہ ان احادیث کو صرف اللہ جل جلالہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کبھی رسول اللہ ﷺ کی طرف۔

2 احادیث قدسیہ کی ذات قدس (اللہ جل جلالہ) کی طرف ایسی نسبت جس میں کوئی شک نہ ہو وہ چھٹی صدی ہجری کے بعد ہوئی کیونکہ ان احادیث کا نام احادیث قدسیہ چھٹی صدی ہجری کے بعد ہی رکھا گیا۔

3 کئی احادیث قدسیہ دراصل عیسائی اور یہودی کتب اور یونانی فلسفہ سے ماخوذ ہیں۔

احادیث قدسیہ پر مستشرق ولیم البرٹ گراہم کے اعتراضات

لیکن زیر نظر بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ:

A صحابہ کرام اور تابعین عظام احادیث قدسیہ اور احادیث نبویہ کے مابین فرق سے بخوبی واقف تھے، وہ جانتے تھے کہ احادیث قدسیہ وہ ہیں جو براہ راست اللہ تعالی کی جانب سے ہیں، اور احادیث نبویہ وہ ہیں جن کے الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوں۔

B صحابہ کرام احادیث قدسیہ کو ایسے الفاظ کے ساتھ روایت کرتے تھے جس سے حدیث قدسی اور حدیث نبوی میں فرق واضح ہو جائے۔

C ولیم گراہم کے کئے گئے اعتراض اور دلائل میں کوئی حقیقت اور صداقت نہیں۔ بلکہ صحابہ کرام نے ہی وحی کی مختلف اقسام کے درمیان فرق کو امت کے لئے اپنے قول اور تعامل کے ذریعہ واضح کیا۔

D حدیث قدسی کے مضمون کا کسی حدیث نبوی میں ذکر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرام اس کے بارے میں متردد تھے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی مضمون پر حدیث قدسی اور حدیث نبوی مذکور ہونے کا امکان موجود ہے، جیسا کہ ایک ہی مضمون پر حدیث نبوی اور قرآن کی آیت مذکور ہوسکتی ہے اور اس کی کئی مثالین موجود ہیں۔

E اگر صحابہ کرام چھ ہزار سے زائد آیات کو ہزاروں احادیث سے جدا کر کے امت کو بیان کر سکتے ہیں تو یہی صحابہ کرام چند احادیث قدسیہ کو احادیث نبویہ سے ممتاز کیوں نہیں کر سکتے۔

F مسلمانوں کا پانچویں صدی ہجری کے بعد حدیث قدسی کا نام رکھنا اور ان احادیث کو ایک کتاب میں یکجا کرنا دراصل علمی وراثت کا مزید اہتمام کرنے اور اس میں مزید علمی پیش رفت کی دلیل ہے۔

G حدیث قدسی کے کسی مضمون کا تورات وانجیل میں موجود ہونا کسی اچنبھے کی بات نہیں، کیونکہ تورات وانجیل بھی آسمانی کتب ہیں، اور شریعت اسلامیہ بھی آسمانی شریعت ہے، لہذا شریعت اسلامیہ کی تعلیمات چاہے وہ قرآن کی صورت میں ہوں، حدیث قدسی یا حدیث نبوی کی صورت میں ہوں تو ان میں مماثلت کا امکان موجود ہے۔

H صحابہ کرام یونانی فلسفہ سے آگاہ ہی نہیں تھے، نہ ان کے پاس یونانی فلسفہ پر مشتمل کتب موجود تھیں کہ اس بات کا احتمال ہو کہ صحابہ کرام احادیث قدسیہ میں یونانی فلسفہ کی کوئی آمیزش کر سکتے ہوں۔

References:حوالہ جات

1 Divine Word and Prophetic Word in Early Islam P: 88 - 91

2 Divine Word and Prophetic Word in Early Islam P:58 - 57

3 Divine Word and Prophetic Word in Early Islam P: 88 - 110

4 لسان العرب۔ مادہ: ح،د،ث۔

5 مختار الصحاح،ص:۵۲۴۔

6 الضیاء اللامع من الأحادیث القدسیۃ الجوامع/،ص:٦۔

7 فتح المبین شرح أربعین نووی،ص:200۔

8 Divine Word and Prophetic Word in Early Islam P: 88 – 91

9 Divine Word and Prophetic Word in Early Islam Part 3, Saying 31. P. 153

10 Divine Word and Prophetic Word in Early Islam Part 3, Saying 45. P. 168

11 Divine Word and Prophetic Word in Early Islam Part 3, Saying 89. P. 213

12 Divine Word and Prophetic Word in Early Islam P. 57 – 58

13 Divine Word and Prophetic Word in Early Islam P. 57 – 58

14 صحیح بخاری، کتاب المساقاۃ، باب اثم من منع ابن السبیل من الماء،(حدیث:2358)

15 صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار۔۔۔،حدیث:109)

16 صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار۔۔۔،حدیث:108)

17 صحیح بخاری، کتاب اکرقاق، باب مایحذر من زھرۃ الدنیا والتنافس فیھا،حدیث:6428

18 صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب سؤال المشرکین أن یریھم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیۃ وأراھم۔۔۔،حدیث:3641

19 صحیح بخاری، کتاب العلم، باب فضل العلم۔

20 صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی" یریدون أن یبدلوا کلام اللہ،حدیث:7504۔

21 سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب فیمن أحب لقاء اللہ،حدیث:1835۔

22 صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب من أحب لقاء اللہ،حدیث:6507۔

23 صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب من أحب لقاء اللہ،حدیث:2686۔

24 جامع ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فیمن أحب لقاء اللہ،حدیث:1067۔

25 سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب فیمن أحب لقاء اللہ،حدیث:1834۔

26 سنن ابن ماجہ، کتاب الذکر، باب ذکر الموت والاستعداد لہ،حدیث:4264۔

27 صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب من أحب لقاء اللہ،حدیث:2685۔

28 جامع ترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء فیمن أحب لقاء اللہ، حدیث:1066۔

29 سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب فیمن أحب لقاء اللہ، حدیث:1836۔

30 صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب من أحب لقاء اللہ، حدیث:6508۔

31 صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب من أحب لقاء اللہ، حدیث:2675۔

32 مسند احمد، حدیث؛11636۔

33 مسند احمد، حدیث:27349۔

34 Divine Word and Prophetic Word in Early Islam P. 54

35 Divine Word and Prophetic Word in Early Islam P. 68

36 بائبل، عہد نامہ جدید، سفر اشعیاء، ۶۴:۴۔

37 بائبل عہد نامہ جدید، ۲۸۸۔

38 Divine Word and Prophetic Word in Early Islam Part 3, Saying 2. P. 117

39 Divine Word and Prophetic Word in Early Islam Part 3, Saying 13. P. 132

40 Divine Word and Prophetic Word in Early Islam Part 3, Saying 19. P. 141

41 Divine Word and Prophetic Word in Early Islam Part 3, Saying 54. P. 179

42 Divine Word and Prophetic Word in Early Islam Part 3, Saying 78. P. 203